

# سانحہ پشاور: ہم کدھر جا رہے ہیں!

ڈاکٹر انیس احمد

پاکستان کی تاریخ میں ۱۶ دسمبر ۲۰۱۳ء ایک تاریک ترین دن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دن دہشت گردوں کے ہاتھوں ۱۳۳۲ راسکول کے معصوم بچوں کا سفا کانہ قتل ایک ایسا اندوہناک واقعہ ہے جس نے نہ صرف ہر پاکستانی بلکہ دنیا کے ہر درمند دل کو خون کے آنسو لادیا ہے۔ عملے کے ۱۰ ارا فراد بھی شہید ہوئے اور ۱۲۰ سے زائد زخمی ہوئے۔ اس سفا کی پر جتنا بھی احتجاج کیا جائے وہ کم ہے۔ ایسے سانحہ قوموں کو ان کے خواب غفلت سے بیدار کر دیتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قوم اس امتحان اور آزمائش کا مقابلہ کس طرح کرتی ہے اور آئندہ ایسے واقعات کی پیش بندی کے لیے کیا اقدامات انجامی ہے۔

پاکستانی صحفت، داشور، کالم نگار، ایک عام شہری بلکہ جہاں کہیں بھی دو افراد چند لمحات کے لیے مل بیٹھتے ہیں اس واقعے پر تبصرہ کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایک چیز جو ان گفتگوؤں میں مشترک نظر آتی ہے وہ ان سفاک افراد کے بارے میں یہ راء کے ایسے گھناؤنے کام کے کرنے والے مسلمان نہیں ہو سکتے۔ یہ لازماً سرحد پار سے آنے والے وہ افراد تھے جو پاکستان میں عدم استحکام، عدم تحفظ اور عالمی تناظر میں پاکستان کی معاشی ساکھ اور ترقی کو مجرور کرنے اور پاکستان میں کسی بیرونی سرمایہ سے تجارتی فروغ کے دروازے بند کرنے کے خواہش مند تھے۔ اس لیے نہ صرف یہ کہ یہ مسلمان نہیں ہو سکتے بلکہ یہ پاکستانی بھی نہیں ہو سکتے۔ پھر یہ کون تھے؟ کیوں آئے اور انھیں اندر کیوں آنے دیا گیا؟ یہ وہ سوالات ہیں جو آج ہر شہری کو پریشان کر رہے ہیں۔

اس سلسلے میں پہلی بات بڑی واضح ہے کہ سانحہ پشاور کو پاکستان میں دہشت گردی کا تہبا واقعہ نہیں کہا جاسکتا۔ جزوی ضایاء الحق کی اندر وہ ملک پالیسی نے سندھ میں ایک دینی جماعت کے

اڑات کو مدد و کرنے کے لیے جس سالی تحریک کو آئکھیں بند کر کے پینپے کا موقع دیا اور جس کے ہمسایہ ممالک کے حاس اداروں سے روابط سے پردہ انحصار نے پر صلاح الدین مدیر تکبیر کو شہید کیا گیا، اور پھر تاریخ میں قائم کر کے معصوم نوجوانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ یہ سب ہمارے ماضی کا حصہ ہیں۔ نہ صرف سندھ، بلوچستان میں سیکڑوں افراد کا انعوا اور قتل مختلف عنوانات کے تحت ہوتا رہا، بلکہ بلوچستان میں مسلکی منافرتوں پھیلانے کے لیے بڑی تعداد میں ہزارہ شیعہ فرقے کے افراد کی شہادت اسی سرگزشت کا ایک باب ہے۔ ملک کے ہر صوبے میں تھوڑے عرصے کے بعد کبھی کسی دیوبندی یا بریلوی عالم یا عسکری جماعت کے اہم فرد کا قتل، کبھی شیعہ عالم پر حملہ اور قتل کیا جانا، کبھی کسی سیاسی شخصیت کا قتل کیا جانا، یہ سب واقعات ایک تسلیل کے ساتھ گذشتہ ۳۰ سال سے دن دہاڑے ہوتے رہے ہیں۔ انتظامیہ ہو یا نام نہاد سول سوسائٹی کی جانب سے اس پرسواے ایک وقتِ عمل کے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا گیا جو مسئلے کی جڑ کو تلاش کرنے کے بعد اس کا جڑ سے خاتمہ کرے۔ اس کی جگہ صرف ایک بات تسلیل سے کہی گئی کہ اس تمام قتل و غارت کی بنیاد نہ ہے بلکہ دینی مدارس ہیں۔ اس لیے دینی مدارس کو ختم کیا جائے اور ملک سے نہ ہب کے اڑات کو دور کیا جائے تاکہ یہاں روشن خیالی اور لادینیت کا فروغ ہو سکے۔ اس فکر کو آگے بڑھانے میں ہمارے ابلاغی ذرائع خصوصاً بر قی ابلاغی ذرائع نے بڑھ چڑھ کر اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ ابلاغی عامد نے ایک جانب تو ایسے تمام واقعات کو بنیاد بنا کر نہ ہبی، افراد اور دینی مدارس کو تلقید کا نشانہ بنایا ہے، اور دوسری جانب دہشت گردی اور قتل و غارت گری کو مسلسل دکھا کر لوگوں کے دل و دماغ کو دہشت گردی کے مناظر کا عادی بنادیا کہ کسی شہر میں ۲۰، ۱۰ افراد کا قتل ہو جانا، حتیٰ کہ بعض افراد کا زندہ جلا دیا جانا بھی ان نام نہاد سول سوسائٹی کے ارکان کو جگانے میں ناکام رہا ہے۔

لیکن ۱۳۲۴ مخصوص بچوں کے خون نے، اس سے قطع نظر کہ ان کے والدین کا تعلق فوج سے تھا یا نہیں، قوم کو ہلاکر کر دیا اور جس سول سوسائٹی کے اصرار نے اسلامی شریعت سے اخراج کرتے ہوئے پاکستان میں قتل کی سزا کو منسوخ کرانے میں بنیادی کردار ادا کیا، آج وہی سول سوسائٹی اس سانحے کے بعد اس کے ذمہ داروں اور دیگر دہشت گردوں کے لیے سزا میں موت کے نفاذ کی حمایت کرنے پر مجبور ہو رہی ہے۔ اسلام کے نظامِ عدل میں جو احکامات خالق کائنات نے انسانوں کے

معاشرے میں امن برقرار رکھنے کے لیے دیے وہ ابدی حیثیت رکھتے ہیں اور آخرانہ ٹھوکریں کھا کر ان کی طرف پلتتا ہے۔

خود احصابی کی ضرورت ہے، الزام تراشی کی نہیں۔ اس سانحے میں فوج کے محفوظ مقام تک آنے کے لیے کئی سکورٹی چیک پوسٹ عبور کیے گئے ہوں گے۔ مجرم دندناتے ہوئے آئے اور قتل و غارت گری کر گئے، اس پر سوچنے کی ضرورت ہے۔

سانحہ پشاور کو اگر گذشتہ ۳۰ سال کے تناظر میں دیکھا جائے تو جن تنظیموں سے وابستہ یا ماضی میں ان سے وابستہ اور اب خود آزاد وجود کی حامل تنظیموں نے ملک میں بدامنی اور انتشار کی فضایہدا کی ہے۔ ان کے وجود میں آنے کی تاریخ پر بھی تقیدی نگاہ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیا کراپیے پر کام کروانے کے لیے تنظیموں کا بنانا بجائے خود ایک اخلاقی، دستوری اور شریعت کے نقطہ نظر سے مباح فعل ہے؟ یہ بات کسی تعارف کی تھیج نہیں کہ اسلام کے ابدی قانون اور پیغام میں قتل ناحق کو چاہے وہ صرف ایک انسان کا ہو، تمام انسانیت کے قتل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیا اسلامی شریعت میں کہیں بھی اس بات کی گنجائش پائی جاتی ہے کہ عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کو چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں، سفا کا نہ بنا یا جائے؟ کیا نبی رحمت نے کسی موقعے پر ایسے فعل کو جائز قرار دیا؟ کیا خلفاء راشدین نے بچوں، عورتوں اور معمرا فراد کے قتل پر آئمکھیں بند رکھیں؟ اگر یہ تاریخی حقیقت ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی قرآن و سنت اور خلفاء راشدین کی پیروی کا دھوکی بھی کرے اور قرآن و سنت کے واضح احکام کو پامال بھی کرے۔

پھر مسئلے کا حل کیا ہو؟ کیا چھاپہ ماروں کو مردوجہ عسکری طریقوں سے کیفر کروار تک پہنچایا جاسکتا ہے؟ کیا دنیا کے دیگر مقامات پر چھاپہ مار تنظیموں کو رواتی فوجی کارروائی سے ختم کیا جاسکا؟ اس کے ساتھ اس بات پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا مسلح مارڈھاڑ کرنے والوں کے وجود میں آنے کا سبب ان کی نامہاد مذہبی شدت پسندی ہے یا وہ پیشہ و رانہ دہشت گرد ہیں جنہیں سرحد پار سے اسلحہ، مالی امداد اور تربیت دے کر پاکستان کو غیر مسکونی رکھنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ وقتاً و قوتاً یہ بات قوی اخبارات میں آتی رہی ہے کہ بھارتی ساخت کا اسلحہ ملک کے مختلف حصوں میں پکڑا گیا ہے۔ یہ بات بھی بار بار سامنے آتی رہی ہے کہ افغان سرحد اس کام کے لیے استعمال ہوتی

رہی ہے۔ اگر یہ ایک مصدقہ حقیقت ہے تو پھر اس دہشت گردی کا الزام نمہج کے سرخونپنا ایک گھناؤنی سازش ہے۔

اس فتنے سے نکلنے کے لیے ایک سریعی قومی حکمت عملی کی ضرورت ہے: اولاً: ملک کے نظامِ تعلیم میں سوچل اسٹڈیز، اردو اور انگریزی زبان کے نصابات میں ایسے موضوعات پر موثر تحریرات کی شمولیت جو اسلام کے نظامِ عدل، حقوق انسانی اور خصوصاً حقوق نسوان، معاشرتی اداروں خصوصاً خاندان کا تحفظ اور خاندانی اقدار پر منی ہوں۔ ان تحریریوں کو پہلی جماعت سے بارہویں جماعت تک سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں میں لازمی مضمون کے طور پر نہ صرف پڑھایا جائے، بلکہ طلباء اور طالبات کو الگ الگ ایسی سرگرمیوں میں مشغول کیا جائے جہاں وہ ان تعلیمات پر عمل کر سکیں۔ غریبوں، بے آسر افراد، بیماروں اور مصیبۃ زدہ افراد کی مدد کرنے کے ذریعے اسلامی تعلیمات پر عمل کر سکیں۔

ثانیاً: جو نوجوان انہا پسند عسکری تنظیموں کے زیر اثر یہ سوچنے پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ جو کچھ انھیں جہاد کے نام پر سمجھایا گیا ہے صرف وہی اسلام ہے، انھیں براہ راست قرآن و سنت سے روشناس کرتے ہوئے جہاد فی سبیل اللہ کے جامع تصور سے آگاہ کرنا اور اس بات کو یقینی بنانا کہ لازمی طور پر افضل جہاد وہی ہے جسے قرآن کریم نے نفس اور مال کے ساتھ جہاد کہا ہے، لیکن اس افضل جہاد سے قبل جس اہتمام اور تیاری کی ضرورت ہے کیا اس کے بغیر جو، جب اور جہاں چاہے اور جس طرح چاہے جہاد کر سکتا ہے؟ یہ کام علماء کرام کا ہے کہ وہ بغیر کسی معدترت اور مذاہدت کے قرآن و سنت کے واضح احکام کو ان کے صحیح تناظر میں پیش کریں اور نوجوانوں کو اپنے موقف پر نظر ثانی کا موقع فراہم کریں۔

کوئی بھی نظریاتی گروہ مغضوقت کے استعمال سے ختم نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ صحیح نظری شکل کو پیش کیا جائے اور ایک کھلے مکالے کے ذریعے ذہنوں کے زاویوں کو بدلا جائے۔ یہ عمل صبر طلب ہے۔ یہ عمل قرآن و سنت کے جادۂ عدل و اعتدال کو براہ راست پیش کرنے کا عمل ہے۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ کلامِ عزیز انسانوں کے قلب و دماغ کو تبدل کرنے کی اعلیٰ ترین صلاحیت رکھتا ہے۔

غالباً: معاشرے اور ملک سے استھان، اقرباً پروری، پارٹی کی بندگی، معاشی ظلم، اخلاقی زوال اور گھناؤنی حد تک بداخلانی کے رواج میں ابلاغ عامہ جو کردار ادا کر رہے ہیں اس کی اصلاح ریاستی، معاشرتی اور افرادی، ہر سطح پر کرنے کی ضرورت ہے۔ ابلاغ عامہ کا کام نہ صرف صحت مندانہ میں کمزوریوں کی نشان دہی ہے بلکہ ان کے حل کی طرف امید افرا انداز میں راہ دکھانا بھی شامل ہے۔ اگر ایک عام شہری کو عدالتوں سے عدل نہ ملے، ہسپتاں میں دوانہ ملے، تجارتی اداروں میں ملازمت نہ ملے، اور گھر اور معاشرے میں ہر جگہ فاشی، استھان اور ظلم کا دور دورہ ہو، تو اس کا موجودہ نظام کے خلاف کھڑے ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں۔

اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ مغربی ممالک کے زیر اثر ان کے مفادات کی جنگ کو اپنی جنگ سمجھ لینے کی بھی اصلاح کی جائے، اور اپنے قومی مفاد کو مغربی سامراجی طاقتلوں کے مفادات سے الگ کر کے ترجیحات میں تبدیلی کی جائے۔ زوال کی کم تر حد تک پہنچ جانے کے باوجود آج بھی اس ملک اور قوم پر اللہ سبحان و تعالیٰ کے جوانعماں ہیں وہ آن گفت ہیں۔ اس نے ہمیں چاروں موسم دیے ہیں اور ان کے لحاظ سے پھل، میوے اور ہر قسم کی غذا کیں دی ہیں، معدنیات دی ہیں، ایسے افراد دیے ہیں جو اس گری ہوئی حالت میں بھی دنیا میں سب سے زیادہ اللہ کے نام پر خیرات کرتے ہیں اور پاکستان تمام دنیا میں سب سے زیادہ خیراتی اور فلاحی کاموں پر خرچ کرنے والی قوم ہے۔ ان تمام اچھی خصوصیات کو تسلیم کرتے ہوئے ایک ثابت فکر کے ساتھ قوم کی تغیر نومکی لیے قرآن و سنت کے راستے کو اختیار کرنا ہوگا۔ اسی میں ہماری فلاح ہے، اسی میں ہمارا تحداد اور بقا ہے۔ ان ثابت اقدامات کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے گھناؤ نے جرام کے مرتكب افراد کو قانون کے مطابق قرار واقعی سزا ملے۔ سیاسی جماعتوں کا معاشرے میں جرم، ناالنصافی، قتل و غارت گری کو برداشت کرنا ہی بگاڑ اور تباہی کا اصل سبب ہے۔ جس معاشرے میں ظلم اور جرم دونوں کا تدارک نہیں کیا جاتا وہ تباہی سے نہیں بچ سکتا۔

اس سانحے کے پیش نظر فوری اور دیر پا اقدامات کی ضرورت ہے۔ پورا نقشہ کا بننا چاہیے اور اس کے مطابق اقدامات اٹھانے چاہیں۔ ہزاروں میل کا فاصلہ پہلے قدم سے ہی طے ہوتا ہے۔ منزل کے تعین کے بغیر جو قدم اٹھے گا وہ بے سمت ہو گا۔

علمی ترجمان القرآن کے دفاتر اور مکاروں کی تصویریں کے لیے

## الابلاغ طرسٹ بلڈنگ کی تعمیر جاری ہے

تعمیر جاری ہے — دوسری منزل کا آغاز ہو چکا ہے

اس کی تعمیر میں حصہ لینا آپ کا ایسا صدقہ چاہیے کہ اس عمارت میں  
غیر کے جو کام جب تک ہوں گے، ان کے اجر میں آپ کا حصہ ہو گا۔  
آگے بڑھیے — اور جو ممکن ہو، اس مخصوصیت کے لیے اللہ کی راہ میں  
اخلاص کے ساتھ افاق کیجیے۔

عطیات منی آرڈر، بیک فراونٹ یا لا ہور کے کمی بھکری کے حکم کے درجے  
ارسال کریں یا آن لائن فری فر کریں۔

ماہنامہ علمی ترجمان القرآن

54790-33-ریڈ بیک، ڈیمنسون، لاہور۔

فون: 042-35427916 نیکس: 042-35427915  
ایمیل: tarjuman@tarjumanulquran.org

Al-Baraka Bank (Pakistan) Ltd.

A/c. Title:

AlIblagh Trust -Tarfuman ul Quran

A/c. No: 0113125986019

Branch Code: 0312